تقریر

تقریر بابت اللہ تعالیٰ
وقت 5-7منٹ

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا

اللہ تعالیٰ کی صفت اَلْجَبَّارُ

(تقریر نمبر 16)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

هُوَاللّٰهُ الَّذِیْ لَآاِلٰهَ اِلَّاهُوَ۔اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ(الحشر:24)

یعنی وہی اللہ ہے جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ وہ بادشاہ ہے، پاک ہے، سلام ہے، امن دینے والا ہے، نگہبان ہے، کامل غلبہ والا ہے، ٹوٹے کام بنانے والا ہے اور کبریائی والا ہے۔ پاک ہے اللہ اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔

سب خیر ہے اِسی میں کہ اُس سے لگاؤ دِل
ڈھونڈو اُسی کو یارو! بُتوں میں وفا نہیں
اِس جائے پُر عذاب سے کیوں دِل لگاتے ہو
دوزخ ہے یہ مقام یہ بُستاں سرا نہیں

(کلام محمود)

سامعین! اللہ تعالیٰ کی ایک صفت جَبَّار ہے اور یہی آج کی تقریر کا موضوع ہے۔

خدا تعالیٰ کی ذات کے بارے میں جب **جَبَّار** کا لفظ آتا ہے تو اس کے معنی اس سے مختلف ہوتے ہیں جب یہ لفظ بندے کے لئے استعمال ہو۔ اہل لغت نے اس لفظ کے جو معنی کئے ہیں، پہلے مَیں وہ بیان کرتا ہوں۔ مفردات امام راغب میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں جو اَلْعَزِیْزُ **الْجَبَّارُ** الْمُتَكَبِّرُ کہا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کا نام **اَلْجَبَّارُ** اہل عرب کے قول جَبَرْتُ الْفَقِیْرَ یعنی مَیں نے فقیر کو نوازا، کے مطابق ہے اور یہ نام **اَلْجَبَّارُ** اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ایسی ذات ہے جو لوگوں پر اپنی متعدّد نعماء نازل کرتا ہے۔

سامعین! لسانُ العرب میں لکھا ہے، **اَلْجَبَّارُ** اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے یعنی اپنی مخلوق کو اپنے منشاء کے مطابق اوامر و نواہی پر چلانے والا۔ پھر لکھا ہے **اَلْجَبَّارُ** مخلوق سے بلند مقام پر فائز ہستی کو جَبَّار کہتے ہیں۔ اَلْجَبَّار عظیم، قوی اور طویل کو بھی کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ اَلْجَبَّار اُسے کہتے ہیں جو بلند سے بلند تر ہوتا چلا جائے اور اس کی عزت و شرف میں کمی نہ ہو۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف لغات سے معنی اخذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"اَلْجَبَّار اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور اس کے معنی لوگوں کی حاجات پوری کرنے والے کے ہوتے ہیں۔ لیکن جب کسی غیر اللہ کے متعلق جَبَّار کا لفظ استعمال ہو تو اس کے معنی سرکش اور قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کے ہوتے ہیں۔"

(تفسیر کبیر جلد 7 تفسیر سورۃ القصص آیت 20 صفحہ 485)

پھر آپؓ لکھتے ہیں کہ

جَبَّار کے معنی ہوتے ہیں دوسروں کو نیچا کر کے اپنے آپ کو اونچا کرنے والا۔ پھر ایک جگہ آپؓ نے لکھا ہے:

"جَبَّار کا لفظ خدا تعالیٰ کی صفات میں ہے۔ یعنی اصلاح کرنے والا..... اور ہر سرکشی کرنے والے اور بات نہ ماننے والے کو بھی (جَبَّار) کہتے ہیں۔"

(تفسیر کبیر جلد 3 تفسیر سورۃ ھود زیر آیت 60 صفحہ 210)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ:

"جہاں اس کے معنی اصلاح کرنے کے ہیں وہاں کسی کی مرضی کے خلاف اس پر ظلم کر کے جبراً اس سے کام لینے کے بھی ہیں۔ گویا ایک معنی ایسے ہیں جن میں نیکی اور اصلاح پائی جاتی ہے اور ایک معنی ایسے ہیں جن میں سختی اور ظلم پایا جاتا ہے۔"

(تفسیر کبیر جلد 5 تفسیر سورۂ مریم زیر آیت 15 صفحہ 148)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے **اَلْجَبَّار** کے معنوں میں لکھا ہے۔

"سنوارنے والا، ہمارے بگاڑوں پر اصلاح کے سامان پیدا کرنے والا، اصلاح کی توفیق دینے والا"

(حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ 70)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اس کے جو معنی کئے ہیں وہ ہیں کہ "بگڑے ہوئے کو بنانے والا"۔

پاکستان میں ایک آرتھوپیڈک ڈاکٹر کے کلینک میں جانے کا مجھے اتفاق ہوا۔ اُن کے دفتر میں صفت **اَلْجَبَّارُ** کو خوبصورت کیلی گرافی میں لکھا ہوا دیکھا۔ میرے دریافت کرنے پر مکرّم ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ خدا کی اِس صفت کے معنی جوڑنے کے بھی ہیں اور ہم خدائے عزّوجلّ کے ظلّ میں ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جوڑتے ہیں۔

سامعین! حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جلسہ سالانہ کی ایک تقریر بعنوان تقدیر الٰہی میں خدا تعالیٰ کی ذات سے جَبَر کے بارے میں بعض لوگوں کے غلط نظریات بیان کرتے ہوئے صفت جَبَّار کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ

"قرآن کریم سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ جَبَّار ہے۔ مگر اس کے معنی "اصلاح کرنے والا" ہیں اور یہ کہتے ہیں جَبَر یہ ہے۔ زبردستی کام کراتا ہے۔ حالانکہ یہ کسی صورت میں بھی درست نہیں ہے۔ عربی میں جَبَر کے معنی ٹوٹی ہوئی ہڈی کو درست کرنے کے ہیں اور جب یہ لفظ خدا تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتا ہے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ بندوں کے خراب شدہ کاموں کو درست کرنے والا اور اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ دوسرے کے حق کو دبا کر اپنی عزت قائم کرنے والا۔ لیکن یہ دوسرے معنی تب کئے جاتے ہیں جب بندوں کی نسبت استعمال ہو۔ خدا تعالیٰ کی نسبت استعمال نہیں کئے جاتے اور نہ کئے جاسکتے ہیں کیونکہ سب کچھ خدا تعالیٰ کا ہی ہے۔ یہ کہا ہی نہیں جاسکتا کہ دوسروں کے حقوق کو تلف کر کے اپنی عزت قائم کرتا ہے۔"

(تقدیر الٰہی، انوار العلوم جلد 4 صفحہ 459)

سامعین! ہم نے بزرگوں سے یہ سنا ہوا ہے کہ جب بِھڑ (Wasp) یا کوئی ایسی چیز کاٹ جائے تو وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ پڑھنے سے تکلیف نہیں ہوتی اور سوجن وغیرہ بھی نہیں ہوتی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے متعلق فرماتے ہیں:

"راقم اس رسالہ نے ایک درویش کو دیکھا کہ وہ سخت گرمی کے موسم میں یہ آیت قرآنی پڑھ کر وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ زنبور کو پکڑ لیتا تھا اور اس کی نیش زنی سے بکلی محفوظ رہتا تھا اور خود اس راقم کے تجربہ میں بعض تاثیرات عجیبہ آیت قرآنی کی آچکی ہیں جن سے عجائبات قدرت حضرت باری جل شانہ معلوم ہوتے ہیں۔"

(سرمہ چشم آریہ، روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 100)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے ایک خواب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"شب گذشتہ کو میں نے خواب میں دیکھا کہ اس قدر زنبور ہیں (جن سے مراد کمینہ دشمن ہیں) کہ تمام سطح زمین اُن سے پُر ہے اور ٹڈی دل سے زیادہ ان کی کثرت ہے۔ اس قدر ہیں کہ زمین کو قریباً ڈھانک دیا ہے اور تھوڑے ان میں سے پرواز بھی کر رہے ہیں جو نیش زنی کا ارادہ رکھتے ہیں مگر نامُراد رہے اور میں اپنے لڑکوں شریف اور

بشیر کو کہتا ہوں کہ قرآن شریف کی یہ آیت پڑھو اور بدن پر پھونک لو کچھ نقصان نہیں کریں گے اور وہ آیت یہ ہے۔ وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ۔ پھر بعد اس کے آنکھ کھل گئی۔"

(تذکرہ 565-566)

سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سورۃ الحشر آیت 24 میں بیان کردہ صفات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ یعنی وہ خدا بادشاہ ہے جس پر کوئی داغِ عیب نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ انسانی بادشاہت عیب سے خالی نہیں۔ اگر مثلاً تمام رعیّت جلاوطن ہو کر دوسرے ملک کی طرف بھاگ جاوے تو پھر بادشاہی قائم نہیں رہ سکتی۔ یا اگر مثلاً تمام رعیّت قحط زدہ ہو جائے تو پھر خراجِ شاہی کہاں سے آئے اور اگر رعیّت کے لوگ اس سے بحث شروع کر دیں کہ تجھ میں ہم سے زیادہ کیا ہے تو وہ کون سی لیاقت اپنی ثابت کرے۔ پس خدا تعالیٰ کی بادشاہی ایسی نہیں ہے۔ وہ ایک دم میں تمام ملک کو فنا کر کے اور مخلوقات پیدا کر سکتا ہے۔ اگر وہ ایسا خالق اور قادر نہ ہوتا تو پھر بجز ظلم کے اس کی بادشاہت چل نہ سکتی۔ کیونکہ وہ دنیا کو ایک مرتبہ معافی اور نجات دے کر پھر دوسری دنیا کہاں سے لاتا۔ کیا نجات یافتہ لوگوں کو دنیا میں بھیجنے کے لئے پھر پکڑتا؟ اور ظلم کی راہ سے اپنی معافی اور نجات دہی کو واپس لیتا؟ تو اس صورت میں اس کی خدائی میں فرق آتا اور دنیا کے بادشاہوں کی طرح داغدار بادشاہ ہوتا جو دنیا کے قانون بناتے ہیں۔ بات بات پر بگڑتے ہیں اور اپنی خود غرضی کے وقتوں پر جب دیکھتے ہیں کہ ظلم کے بغیر چارہ نہیں تو ظلم کو شِیرِ مادر سمجھ لیتے ہیں۔ مثلاً قانون شاہی جائز رکھتا ہے کہ ایک جہاز کو بچانے کے لئے ایک کشتی کے سواروں کو تباہی میں ڈال دیا جائے اور ہلاک کیا جائے مگر خدا کو تو یہ اضطرار پیش نہیں آنا چاہئے۔ پس اگر خدا پورا قادر اور عدم سے پیدا کرنے والا نہ ہوتا تو وہ یا تو کمزور راجوں کی طرح قدرت کی جگہ ظلم سے کام لیتا اور یا عادل بن کر خدائی کو ہی الوداع کہتا۔ بلکہ خدا کا جہاز تمام قدرتوں کے ساتھ سچے انصاف پر چل رہا ہے۔

پھر فرمایا اَلسَّلَامُ یعنی وہ خدا جو تمام عیبوں اور مصائب اور سختیوں سے محفوظ ہے بلکہ سلامتی دینے والا ہے۔ اس کے معنی بھی ظاہر ہیں کیونکہ اگر وہ آپ ہی مصیبتوں میں پڑتا۔ لوگوں کے ہاتھ سے مارا جاتا اور اپنے ارادوں میں ناکام رہتا تو اس بدنمونہ کو دیکھ کر کس طرح دل تسلّی پکڑتے کہ ایسا خدا ہمیں ضرور مصیبتوں سے چھڑا دے گا.....

پھر فرمایا کہ خدا امن کا بخشنے والا ہے اور اپنے کمالات اور توحید پر دلائل قائم کرنے والا ہے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سچے خدا کا ماننے والا کسی مجلس میں شرمندہ نہیں ہو سکتا اور نہ خدا کے سامنے شرمندہ ہو گا کیونکہ اس کے پاس زبردست دلائل ہوتے ہیں۔ لیکن بناوٹی خدا کا ماننے والا بڑی مصیبت میں ہوتا ہے۔ وہ بجائے دلائل پیش کرنے کے ہر ایک بے ہودہ بات کو راز میں داخل کرتا ہے تا ہنسی نہ ہو اور ثابت شدہ غلطیوں کو چھپانا چاہتا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ اَلْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ یعنی وہ سب کا محافظ ہے اور سب پر غالب اور بگڑے ہوئے کا بنانے والا ہے اور اس کی ذات نہایت ہی مستغنی ہے۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 373-375)

سامعین! حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ فرماتے ہیں:

"تو یہ ہے وہ خدا جس کا اس آیت (الحشر:24) سے پتہ لگتا ہے... اس میں اللہ تعالیٰ کی وہ تمام صفات بیان ہوئی ہیں جو بندے کو اس کے قریب تر لانے والی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے رحم کا وارث بناتی ہیں۔ وہ بادشاہ ہے۔ ہر غلطی سے پاک ہے۔ ہر کمزوری سے پاک ہے۔ ہر بُرائی سے پاک ہے۔ جو اس کی طاقت ہے وہ منبع ہے ہر قسم کے اور مکمل امن کا۔ بندے کو ہر قسم کے خطرات سے بچانے والا اور حفاظت میں رکھنے والا ہے اور سب پر نگران ہے۔ تمام طاقتوں والا اور غالب ہے۔ ہر ٹوٹے کام کو بنانے والا ہے اور ہر نقصان کو پورا کرنے والا ہے۔ وہ ہر ضرورت سے بالا ہے اور ہر ایک کی ضرورت کو پورا کرنے والا ہے۔

پس ان طاقتوں کے خدا پر جبر کے وہ معنی نہیں کئے جاسکتے جو عموماً کئے جاتے ہیں یا بندے کے بارے میں کئے جاتے ہیں۔ یہ اس پر چسپاں ہو ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ عارضی طاقتوں، وقتی حکومتوں کی تو ان لوگوں کو ضرورت ہے جو عارضی لوگ ہیں۔ خدا تو ہمیشہ کے لئے ہے، ہمیشہ سے طاقتور ہے اور طاقت کا منبع ہے اور اس کے مقابلے میں جیسا کہ مَیں نے کہا جب بندے کی طرف یہ صفت منسوب ہوتی ہے تو اس کے معنی جیسا کہ ہم نے دیکھا بے رحم، تکبّر کی وجہ سے نصیحت قبول نہ کرنے والا، زبردستی اپنی بات منوانے والا اور جھگڑا کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں بھی جَبَّار کا لفظ بندوں کے لئے استعمال فرمایا ہے تو اس رنگ میں ہی استعمال فرمایا ہے جسے منفی رنگ کہہ سکتے ہیں۔ اب چند وہ آیات میں سامنے رکھتا ہوں جن میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ ایک مفسّر نے اس حوالے سے جَبَر کی یا انسان کے بارے میں جَبَّار کی درج ذیل اقسام بیان فرمائی ہیں۔ نمبر ایک کہ مسلّط ہونے والا۔ اس کی دلیل میں وہ کہتے ہیں وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ (ق:46) یعنی تو ان پر زبردستی کرنے والا نگران نہیں ہے۔

دوسرے عظیم جسامت والا۔ اِنَّ فِیۡہَا قَوۡمًا جَبَّارِیۡنَ (المائدہ:23) یقیناً ان میں ایک سخت گیر قوم ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی عبادت سے سرکشی اختیار کرنے والا۔ وَلَمۡ یَجۡعَلۡنِیۡ جَبَّارًا (مریم:33) اور مجھے سخت گیر نہیں بنایا گیا۔ بہت زیادہ لڑنے والا جیسا کہ بَطَشۡتُمۡ جَبَّارِیۡنَ (الشعراء:131) ہے۔ یعنی زبردست بنتے ہوئے گرفت کرتے ہوئے اور اِنۡ تُرِیۡدُ اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَ جَبَّارًا فِی الۡاَرۡضِ (القصص:20) یعنی تو یہ چاہتا ہے کہ ملک میں دھونس جماتا پھرے۔ سومسلّط ہونے والے کے ضمن میں جس آیت کا حوالہ مَیں نے دیا ہے، یہ سورۃ کہف کی آیت نمبر46 ہے۔ مکمل آیت یوں ہے۔ نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا یَقُوۡلُوۡنَ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَیۡہِمۡ بِجَبَّارٍ۔ فَذَکِّرۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مَنۡ یَّخَافُ وَعِیۡدِ (ق:46) یعنی ہم اسے سب سے زیادہ جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں اور تُو ان پر زبردستی اصلاح کرنے والا نگران نہیں ہے۔ پس قرآن کے ذریعہ اسے نصیحت کرتا چلا جا جو میری تنبیہ سے ڈرتا ہے... پھر اللہ تعالیٰ نے سورۃ ھود میں نافرمانوں اور سرکشوں کو اس زمرہ میں بیان فرمایا ہے۔ وہ جَبَّار بنتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا وَتِلۡکَ عَادٌ ۟ جَحَدُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ وَعَصَوۡا رُسُلَہٗ وَاتَّبَعُوۡۤا اَمۡرَ کُلِّ جَبَّارٍ عَنِیۡدٍ (ھود:60) اور یہ ہیں عاد جنہوں نے اپنے ربّ کی آیات کا انکار کر دیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر سخت جابر اور سرکش کے حکم کی پیروی کرتے رہے۔

یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اس حوالے سے ذکر فرمایا ہے جس سے عاد کا نیکیوں سے انکار ثابت ہوتا ہے۔ رسول کی نافرمانی کرتے ہیں اور دنیاوی جاہ وحشمت والوں کو سب کچھ سمجھتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سرکش لوگ ہیں اور پھر اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان بے وقوفوں کو اس ناشکری کی وجہ سے سزا ملی جن کی یہ پیروی کرتے رہے اور جن کو وہ جابر اور اونچا مقام دلانے والا اور حفاظت کرنے والا سمجھتے رہے وہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کے کچھ کام نہ آسکے۔ تو یہ سبق ہے جو پچھلی قوموں کو دے کر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ آئندہ بھی یہ قوموں کو یاد رکھنا چاہئے۔

پھر سورۃ شعراء میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَا بَطَشۡتُمۡ بَطَشۡتُمۡ جَبَّارِیۡنَ (الشعراء:131) اور جب تم گرفت کرتے ہو تو زبردست بنتے ہوئے گرفت کرتے ہو۔ یہاں پھر عاد کا ذکر ہے کہ کس طرح غلبہ کی صورت میں تم لوگ اس تہذیب کو تباہ کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ جس قوم پر قبضہ کر لو اسے انتہائی ذلیل کرنے کی کوشش کرتے ہو اور اپنی بڑائی اور طاقت کا اظہار کرتے ہو۔ اپنی جنگی طاقت اور قوت کی وجہ سے چاہتے ہو کہ ہر قوم تمہارے زیر نگیں ہو جائے۔ لیکن اللہ کے رسول نے انہیں ڈرایا کہ اللہ کو یہ حرکتیں پسند نہیں ہیں۔ خدا سے ڈرو اور اصلاح کرو۔"

(خطبہ جمعہ 16/ مئی 2008ء)

سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"میرے نزدیک پاک ہونے کا یہ عمدہ طریق ہے اور ممکن نہیں کہ اس سے بہتر کوئی اور طریق مل سکے کہ انسان کسی قسم کا تکبّر اور فخر نہ کرے۔ نہ علمی، نہ خاندانی، نہ مالی۔ جب خدا تعالیٰ کسی کو آنکھ عطا کرتا ہے تو دیکھ لیتا ہے کہ ہر ایک روشنی جو ان ظلمتوں سے نجات دے سکتی ہے وہ آسمان سے ہی آتی ہے اور انسان ہر وقت آسمانی روشنی کا محتاج ہے۔ آنکھ بھی دیکھ نہیں سکتی جب تک سورج کی روشنی جو آسمان سے آتی ہے نہ آئے۔ اسی طرح باطنی روشنی جو ہر ایک قسم کی ظلمت کو دُور کرتی ہے اور اس کی بجائے تقویٰ اور طہارت کا نور پیدا کرتی ہے آسمان ہی سے آتی ہے۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ انسان کا تقویٰ ایمان، عبادت، طہارت سب کچھ آسمان سے آتا ہے اور یہ خدا تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے۔ وہ چاہے تو اس کو قائم رکھے اور چاہے تو دور کر دے۔

پس سچی معرفت اسی کا نام ہے کہ انسان اپنے نفس کو مسلوب اور لاشئ محض سمجھے اور آستانۂ الوہیت پر گر کر انکسار اور عجز کے ساتھ خدا تعالیٰ کے فضل کو طلب کرے اور اس نور معرفت کو مانگے جو جذبات نفس کو جلا دیتا ہے اور اندر ایک روشنی اور نیکیوں کے لئے قوّت اور حرارت پیدا کرتا ہے۔ پھر اگر اس کے فضل سے اس کو حصہ مل جاوے اور کسی وقت کسی قسم کا بسط اور شرحِ صدر حاصل ہو جاوے تو اس پر تکبّر اور ناز نہ کرے بلکہ اس کی فروتنی اور انکسار میں اور بھی ترقی ہو۔ کیونکہ جس قدر وہ اپنے آپ کو لاشئ سمجھے گا اسی قدر کیفیات اور انوار خدا تعالیٰ سے اُتریں گے جو اس کو روشنی اور قوّت پہنچائیں گے۔ اگر انسان یہ عقیدہ رکھے گا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کی اخلاقی حالت عمدہ ہو جائے گی۔ دنیا میں اپنے آپ کو کچھ سمجھنا بھی تکبّر ہے اور یہی حالت بنا دیتا ہے۔ پھر انسان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ دوسرے پر لعنت کرتا ہے اور اسے حقیر سمجھتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 213)

سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک جگہ فرماتے ہیں:

"اصلاح کا طریق ہمیشہ وہی مفید اور نتیجہ خیز ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اذن اور ایماء سے ہو۔ اگر ہر شخص کی خیالی تجویزوں اور منصوبوں سے بگڑی ہوئی قوموں کی اصلاح ہو سکتی تو پھر دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے وجود کی کچھ حاجت نہ رہتی۔ جب تک کامل طور پر ایک مرض کی تشخیص نہ ہو اور پھر پورے وثوق کے ساتھ اس کا علاج معلوم نہ ہو لے کامیابی علاج میں نہیں ہو سکتی۔ اسلام کی جو حالت نازک ہو رہی ہے وہ ایسے ہی طبیبوں کی وجہ سے ہو رہی ہے جنہوں نے اس کی مرض کو تو تشخیص نہیں کیا اور جو علاج اپنے خیال میں گزرا اپنے مفاد کو مد نظر رکھ کر شروع کر دیا۔ مگر یقیناً یاد رکھو کہ اس مرض اور علاج سے یہ لوگ محض ناواقف ہیں۔ اس کو وہی شناخت کرتا ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اسی غرض کے لئے بھیجا ہے اور وہ مَیں ہوں۔"

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 343-344)

سامعین! حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ لفظ جَبَّار کے متعلق فرماتے ہیں:

"جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہو، اللہ تعالیٰ کی صفت کے طور پر استعمال ہو تو اس کا مطلب اصلاح کرنے والا ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ دعا بھی اِسی وجہ سے سکھائی ہے جو ہر مسلمان نماز پڑھتے ہوئے دو سجدوں کے درمیان پڑھتا ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان دعا کیا کرتے تھے کہ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَارْفَعْنِیْ کہ اے میرے ربّ! مجھے بخش دے۔ مجھ پر رحم فرما۔ **وَاجْبُرْنِیْ** اور میرے بگڑے کام سنوار دے اور مجھے رزق عطا فرما۔ اور میرے درجات بلند فرما۔ (سنن ابن ماجہ۔ کتاب الصلوٰۃ باب مایقول بین السجدتین حدیث نمبر 898)

یعنی وَاجْبُرْنِیْ کے حوالے سے میرے روحانی، جسمانی، مادی، جتنے بھی معاملات ہیں ان کی اصلاح فرما اور میرے سب کام اس حوالے سے سنوارتا چلا جا۔ یہ دعا یقیناً اس لئے آنحضرتؐ نے ہمیں سکھائی تا کہ اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی اصلاح کی بھیک خدا تعالیٰ سے مانگیں اور اُس حالت سے بچنے کی کوشش کریں جب یہ خدا کو بھولنے والے انسان کو اس لفظ کے ان معانی کا حامل بنا دیتا ہے جس کے نتیجے میں انسان حد سے زیادہ بڑھنے والا، سختی کرنے والا، باغی اور سرکش ہو جاتا ہے۔ اور خاص طور پر نبیوں کی مخالفت کرنے والے اس زمرہ میں شمار ہوتے ہیں۔"

(خطبہ جمعہ 23/ مئی 2008ء)

(اس تقریر کی تیاری میں حضور انور ایدہ اللہ کے خطبات جمعہ 16/ مئی اور 23/ مئی 2008ء سے مدد لی گئی ہے)

(تلخیص از زاہد محمود)